© rasailojaraid.com

ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی

ڈائریکٹر فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی۔ ghitreef1@yahoo.com

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ

فکر ونظر کے چند نمایاں پہلو

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کا نام نامی تو خاصے عرصہ سے ذہن میں تھا اور عربی مدارس کے نظام ونصاب میں تبدیلی کے سلسلہ میں ان کے فکر انگیز خیالات بھی مطالعہ میں آئے تھے، لیکن باضابطہ ان کی کسی تصنیف یا مجموعہ محاضرات کے مطالعہ کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ سرسری سی معلومات سے اتنا تو اندازہ تھا کہ فکر ونظر کے اعتبار سے موصوف کا شمار نہ صرف پاکستان بلکہ دنیائے اسلام کی چند منتخب روزگار شخصیات میں سے ہوتا ہے۔ جب ان کی وفات (۲۶ ستمبر، ۲۰۱۰) کے بعد مؤقر مجلّہ 'الشریعہ' کے مدیر شہیر جناب مولانا عمار خان ناصر صاحب کا دعوت نامہ موصول ہوا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی یاد میں الشریعہ کی اشاعت خصوصی کے لیے مضمون لکھوں تو راقم نے موصوف کی شخصیت اور کارناموں پر لکھنے کا عزم کر لیا اور اس مضمون کا ایک فوری فائدہ یہ ہوا کہ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کی کئی کتابیں خصوصاً محاضرات قرآنی، محاضرات حدیث اور محاضرات فقہ بالاستیعاب پڑھنے کا موقع مل گیا۔ حاصل مطالعہ کے طور پر چند معروضات پیش خدمت ہیں:

سوانح زندگی:

ڈاکٹر محمود احمد غازی (فاروقی) ۱۳ ستمبر ۱۹۵۰ء کو کاندھلہ مظفر نگر (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ (۱) ان کے والد محمد احمد فاروقی مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی کے خلیفہ تھے۔ (۲) خاندانی تعلق مولانا تھانوی سے تھا۔ اصلاً تو وہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے، مگر ان کی شادی کاندھلہ کے ایک بزرگ حکیم قمر الحسن کی دختر سے ہوئی جو کہ سابق امیر تبلیغ مولانا محمد اظہار الحسن کاندھلویؒ کے بڑے بھائی تھے۔ اس رشتہ کے بعد وہ کاندھلہ جا کر رہنے لگے تھے۔ جب محمود احمد غازی ۶، ۷ سال کے تھے تو یہ کنبہ کراچی چلا گیا جہاں محمود احمد کو بنوری ٹاؤن کے مدرسہ میں داخل کرایا گیا۔ قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد انھوں نے مروجہ طرز پر اسلامی علوم کی تحصیل شروع کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح علامہ محمد یوسف بنوریؒ سے انہوں نے پڑھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے والد راولپنڈی منتقل ہوئے تو انہوں نے وہاں کے مدرسہ تعلیم القرآن میں تعلیم جاری رکھی۔ ۱۹۶۲ء میں عربی کامل کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۶۶ء میں درس نظامی کا پورا کورس مکمل کر لیا۔ ۱۹۷۲ء میں عربی زبان میں ایم اے کیا۔ اسی کے ساتھ فارسی اور فرنچ میں ڈگریاں حاصل کیں۔ انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے اسلامیات میں پی ایچ ڈی کی جس کا موضوع شاہ ولی اللہ سے متعلق تھا۔ (۳)

تدریسی خدمات:

تعلیم کی تکمیل کے بعد ڈاکٹر غازی صاحب نے راولپنڈی کے مدرسہ فاروقیہ اور مدرسہ ملیہ میں پڑھایا۔ اس کے بعد ادارہ تحقیقات اسلامی میں یہ خدمت انجام دی، پھر قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں اسلام کے سیاسی فکر کے ارتقا پر لیکچر دیے۔ اس کے بعد بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں برسوں تک تدریس کی جہاں وہ شریعہ فیکلٹی میں پروفیسر، ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ اور یونی ورسٹی کے نائب صدر سے لے کر وائس چانسلر تک رہے۔ نیز قطر فاؤنڈیشن دوحہ میں بھی فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز کے پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

تدریس کے علاوہ ڈاکٹر غازی اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے چیئرمین شریعہ بورڈ، تکافل پاکستان کراچی کے شریعہ سپر دائزری کمیٹی کے چیئرمین، مذہبی امور کے وفاقی وزیر (اگست ۲۰۰۲) سپریم کورٹ آف پاکستان کی شریعہ ایلپیٹ بنچ کے جج (۱۹۹۹-۱۹۹۸) اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ڈائرکٹر نیز اسی یونیورسٹی کی دعوۃ اکیڈمی کے ڈائرکٹر وغیرہ جیسے اہم اور ذمہ دارانہ مناصب پر فائز رہے۔ قومی سلامتی کونسل کا رکن بھی ان کو بنایا گیا۔ اسی طرح بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے نکلنے والے دو اہم علمی مجلات الدراسات الاسلامیہ (عربی) اور فکر ونظر (اردو) کا ایڈیٹر بھی ان کو مقرر کیا گیا۔ اپنی علمی فکری اور عملی خدمات کے قومی اور بین الاقوامی سطح کے کتنے ہی اداروں کی ممبری، اور فقہی مشیر کی حیثیت سے بھی انھیں حاصل ہوئی جن میں پاکستان کے متعدد اداروں کے علاوہ ایران، شام، اسپین، مصر اور سعودی عرب کے موقر و مقتدر ادارے شامل ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر غازی کی پوری زندگی عملی و علمی نشاط و سرگرمی سے عبارت تھی۔ (۴)

علمی آثار:

اگر چہ ڈاکٹر غازی کی شہرت عام اور روایتی علما سے مختلف اور جدید اسلامی اسکالر و مفکر کے بطور زیادہ تھی، تاہم ان کی تقریریں وتحریریں بتاتی ہیں کہ وہ راسخ العقیدہ اور متبحر عالم تھے۔ انھوں نے اسلامیات کے متعدد موضوعات پر تیس کے قریب کتابیں اور ۱۰۰ سے زیادہ مضامین و مقالات لکھے۔ ان میں بعض کتابیں دراصل ان کے محاضرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مجموعے ہیں جو انھوں نے ادارہ ''الہدیٰ'' کی فرمائش پر قرآن، حدیث، فقہ، سیرت اور شریعت پر دیے تھے۔ یہ تقریباً ۶۸ لیکچرز ہیں جن کو الگ الگ کتاب کی صورت میں پاکستان کے معروف ناشر ''الفیصل'' نے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر غازی عربی، اردو اور انگریزی میں لکھتے تھے۔ انھوں نے اردو سے عربی اور عربی سے اردو میں علمی اور اہم کتابوں کے کامیاب ترجمے بھی کیے ہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی تصنیف یا ترجمہ اور ایڈیٹنگ کی ہوئی بارہ کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ یہ کتابیں اردو، عربی اور انگریزی میں ہیں اور ان میں بعض زیر طبع ہیں جن میں مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کا عربی ترجمہ، اقبالؒ کے خطبات کا عربی ترجمہ، مقاصد شریعت، اسلام اور مغرب، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی سیرت نبوی پر فرنچ میں لکھی گئی کتاب کا انگریزی ترجمہ اور امام غزالیؒ کی کتاب قواعد العقائد کا انگریزی ترجمہ بھی شامل ہے۔(۶)

ایک بہترین متکلم:

ڈاکٹر محمود احمد غازی ایک بہترین متکلم اسلام ہیں۔ قرآن وحدیث، فقہ، سیرت اور شریعت پانچوں علوم پر انھوں نے قارئین (حاضرین) کے سامنے اہم اور ادق مسائل کو نہایت، رواں اسلوب سہل وآسان زبان میں اس طرح بیان کر دیا ہے کہ تمام باتیں ذہن نشین ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطبات بہاولپور میں بھی یہی انداز واسلوب ہے۔ تاہم ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا امتیاز ایجاز ہے اور اصلاً کلیات اور اہم امور کا بیان ہے اور خاص کر مختلف علوم اسلامیہ کی تدوین کی تاریخ پر ترکیز ہے، جبکہ ڈاکٹر غازی نے اپنے خطبات میں پانچوں علوم میں سے ہر علم کے اہم و مہتم بالشان اور ضرورت کے تمام مباحث نہایت جامع وبلیغ انداز میں بیان کر دیے ہیں اور دوران تقریر بالکل سامنے کی آسان مثالیں دے کر بحث کو بہت آسان کر دیا ہے۔ عصر حاضر میں اسلامیات پر سہل الفہم اور مفید عام کتابیں لکھنے میں سب سے زیادہ شہرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ بانی جماعت اسلامی کو ملی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بہت سے مباحث پر ڈاکٹر غازی نے سید مودودیؒ کی متکلمانہ بحث وگفتگو کی یاد تازہ کر دی ہے۔

علوم اسلامیہ کا استحضار:

ڈاکٹر غازی کے محاضرات کے سلسلہ کو پڑھنے سے پہلا تاثر یہ قائم ہوتا ہے کہ محاضر ومقرر کا علوم اسلامی کا گہرا استحضار ہے۔ یہ محاضرات انھوں نے ادارہ ''الہدیٰ'' کی مدرسات کے آگے دیے اور محض چند نوٹس کی مدد سے دیے۔ ان کے سامعین مدرسات تھیں جن میں ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجہ کی علمی صلاحیت کا ساتھ ہی متوسط درجہ کی صلاحیت رکھنے والی خواتین بھی ہوں گی۔ ان کے سامنے امہات علوم اسلامیہ کی تفصیلات کا تعارف سلیس وسہل انداز میں پیش کرنا کارے دارد تھا، تاہم ڈاکٹر غازی اس مسئلہ سے نہایت عمدہ انداز میں عہدہ برآ ہوئے۔ محاضرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے علاوہ بھی ان کی دوسری تحریروں میں بھی یہ صفت ظاہر ہے۔

راسخ العقیدہ عالم:

ڈاکٹر غازی اگرچہ متبحر عالم دین تھے مگر ان کی شہرت بطور ایک دانشور کے زیادہ تھی۔ ان کا حلقہ تعارف اور حلقۂ احباب میں بھی دانشور، اسکالرز، بین الاقوامی مسلم مشاہیر، چوٹی کے علما و مفکرین اور یونیورسٹی کے اساتذہ نیز حکومت کے ارباب حل و عقد زیادہ تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے، وزیر برائے امور مذہبی تھے۔ اپنی ان حیثیتوں کے ساتھ ہی وہ ایک راسخ العقیدہ عالم دین تھے۔ ان کے مطالعہ میں وسعت تھی اور ہر علم سے متعلق ان کی اپنی رائے تھی، لیکن ہر رائے قرآن و سنت کے مضبوط و پائدار دلائل پر مبنی ہے۔ تاہم ان کی بعض رایوں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''یہ بات بڑی بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ جن اہل علم نے سب سے پہلے کلامی اور فلسفیانہ نوعیت کے یہ سوالات اٹھائے، وہ اصلاً محدثین تھے۔ مثال کے طور پر امام بخاری، امام احمد بن حنبل اور دوسرے محدثین نے ان سوالات سے بحث کی کہ کلام الٰہی قدیم ہے کہ حادث ہے۔ یہ خالص عقلی اور فلسفیانہ مسئلہ ہے، لیکن امام احمد بن حنبل نے یہ مسئلہ اٹھایا جو ایک محدث ہیں۔'' (۷)

ڈاکٹر صاحب کی اس رائے سے اتفاق کرنا ذرا مشکل ہے کیونکہ صورت حال اس کے برعکس تھی اور وہ یہ کہ مسلمانوں میں کلامی و فلسفیانہ نوعیت کے سوالات پہلے ہی سے اٹھ رہے تھے۔ ان کے محرک وہ یونانی علوم تھے جن کا ترجمہ بڑی شد و مد سے خلافت بنو امیہ کے اخیر اور بنو عباس کے آغاز میں ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ شعوبی، زندیقی، سبائی تحریکیں اور ان سے متاثر فارسی ذہنیت کے نومسلم عناصر تھے۔ معتزلہ و متکلمین نے ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی۔ جہاں تک محدثین کی بات ہے تو انہوں نے تو مسلمان اہل علم کے کلام و منطق اور فلسفہ یونانی میں اس انہماک کو غلط ہی سمجھا اور اس پر تنقید کی۔ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے عقلی اور فلسفیانہ نوعیت کے سوالات سب سے پہلے اٹھائے۔

مجتہدانہ سوچ کے مالک مفکر:

اعلیٰ درجہ کا تفکر اور تحقیقی نقطۂ نظر ڈاکٹر صاحب کی ہر تحریر سے عیاں ہے۔ اس طرح وسعت مطالعہ اور مسلسل غور و فکر نے ان کی سوچ کو مجتہدانہ بنا دیا تھا چنانچہ ایک عالمی فقہ کا تصور اور کسی ایک فقہ میں محصور نہ ہونا ان کی مجتہدانہ فکر کا غماز ہے۔ کاسموپولیٹن فقہ کے ساتھ ہی حدیث کے بارے میں کہا کہ ''علم حدیث میں ایک نیا پہلو ایسا ہے جو اس کے سائنسی مطالعہ سے عبارت ہے'' اور ''نئے انداز سے علم حدیث کے مجموعے مرتب کرنے کی ضرورت ہے جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں آج کے دور کے تہذیبی، تمدنی، سیاسی، معاشی، اجتماعی، اخلاقی اور روحانی ضروریات کے مطابق ابواب کی ترتیب اور مضامین کی تقسیم کی جائے اور یوں مجموعے مرتب کیے جائیں۔'' (۸)۔ کتاب کے آخر میں انھوں نے حدیث پر نئے سرے سے کرنے کے کام سمجھائے اور مثالوں سے ان کی وضاحت کی۔ تدریس قرآن کے سلسلہ میں جدید تقاضوں پر گفتگو کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ''صحابہ کرام نے کسی فقہی، کلامی یا تفصیلی معاملہ کی طرف کسی کو دعوت نہیں دی۔ دعوت صرف دین کی دی جاتی تھی۔ دعوت شریعت یا دعوت فقہ کبھی نہیں ہوتی تھی'' (۹)۔ اسی طرح ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اسلام میں ریاست وحکومت تو براہ راست مطلوب نہیں ہے، لیکن ایک اسلامی معاشرہ اور امت مسلمہ کا قیام یقیناً ایک دینی فریضہ اور راست مطلوب شرعی ہے۔ (۱۰) انہوں نے مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر کے حوالے سے یہ فکر انگیز خیال بھی ظاہر کیا کہ علم حدیث اور علم اصول فقہ یہ دونوں اسلام کی ذہانت (geniusness) کا زبردست اظہار ہیں۔ ان کے الفاظ میں ''مسلمانوں میں creative Genius کا سب سے اعلیٰ نمونہ علم اصول الفقہ ہے۔ علم حدیث مسلمانوں کی Accumulative Genius کا بے مثال نمونہ ہے۔'' (۱۱)

وسعت نظری ورواداری:

ڈاکٹر صاحب ان چنیدہ صاحبان دانش میں سے ہیں جن کا مطالعہ متنوع اور وسیع ہے۔ وہ زیادہ تر عربی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ (۱۲) فرنچ جاننے کی وجہ سے ان کے مطالعہ میں مزید وسعت پیدا ہوگئی، خاص کر مستشرقین کی تحریریں راست ان کے مطالعہ میں آئیں۔ وسعت مطالعہ اور تفکر سے وسعت نظری پیدا ہوتی ہے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے ہاں وسعت نظری اور رواداری پیدا ہوگئی۔ وہ حنفی تھے لیکن متشدد وکٹر قسم کے حنفی نہیں۔ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا حنفی کی نماز شافعی کے پیچھے ہوجائے گی، بعض لوگ منع کرتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں وہ کہتے ہیں:

> ''فقہ اسلامی میں ایسا کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ جس نے بھی ایسا کہا، فضول بات کی ہے اور بالکل غلط کہی ہے۔ جس مسلک کا امام نماز پڑھا رہا ہو، آپ بے تکلف و بے تردد اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ اگر آج امام شافعی یہاں تشریف لے آئیں تو میں کسی آدمی کو نماز پڑھانے نہیں دوں گا۔ خود بھی امام شافعی کے پیچھے نماز پڑھوں گا اور دوسروں سے بھی کہوں گا کہ امام شافعی کے پیچھے نماز پڑھیں۔'' (۱۳)

اسی طرح وہ سنی تھے، راسخ العقیدہ سنی۔ ایک صاحب نے لکھا ہے کہ پی ایچ ڈی کے مقالہ میں ان کے ایک ایرانی ممتحن نے منفی رپورٹ لکھی تھی۔ اس کے باوجود وہ نہ صرف کافی حد تک مسلکی رواداری کا اظہار کرتے تھے بلکہ فقہ جعفری کے مطالعہ کا مشورہ بھی دیتے تھے۔ شیعوں کی تکفیر کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

> ''یہ بڑی غیر ذمہ داری کی بات ہے۔ جو لوگ یہ باتیں کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ ان کو یہ باتیں نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہنی چاہییں۔ یہ دنیائے اسلام میں ایک ٹائم بم رکھنے کے مترادف ہے۔ شیعہ حضرات آج سے نہیں ہیں، کم سے کم تیرہ سو برس سے چلے آ رہے ہیں۔ کبھی بھی مسلمانوں نے ان کو کافر نہیں کہا۔ بڑے بڑے اہل علم نے شیعہ عقائد کا مطالعہ کیا تو ان کو غلط تو کہا، ان پر تنقید تو کی اور ان کمزوریاں واضح کیں، لیکن کسی یہ نہیں کہا کہ شیعہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ لہٰذا یہ بات جو پچھلے پندرہ بیس سالوں سے پیدا ہوگئی ہے، اس نے دنیائے اسلام میں بڑا فساد پیدا کیا ہے۔ میرے نزدیک شیعوں کے عقائد غلط ہیں، اسلام کے مطابق نہیں ہیں۔ بس، بات ختم ہوگئی۔" (۱۴)

معتدل فکر و اسلوب:

وسعت نظری اور جامعیت سے فکر میں اعتدال پیدا ہوا۔ الہدیٰ ایک ایسا ادارہ ہے جس کے تحت خواتین قرآن و حدیث کے دروس کا اہتمام کرتی ہیں۔ ان پر بعض علما نے اعتراض کیا تو اس کے جواب میں کہتے ہیں:

"بعض علمائے کرام کے بارے میں، میں نے سنا ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ تدریس قرآن کے لیے پہلے مدرسہ کا دس سالہ نصاب مکمل کرنا بے حد ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی تدریس قرآن میں مصروف ہونا چاہیے...... میں اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کو نہ بنیاد کی ضرورت ہے نہ بیساکھیوں کی۔ قرآن مجید خود بنیاد فراہم کرتا ہے، دیواریں بھی اور تعلیم کی بھی تکمیل کر دیتا ہے۔" (۱۵)

اسی طرح یہ اعتدال ان کے اسلوب تقریر و تحریر سے بھی مترشح ہوتا ہے۔ وہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے بھی نہایت انکساری سے کہتے ہیں: "میری رائے یہ ہے، ہوسکتا ہے غلط ہو"۔ اسی طرح کسی شخص یا فکر کی تردید میں بھی اسلوب کا دھیما پن صاف نظر آتا ہے۔ شدت، تعصب اور تعلّی ان کے قریب بھی نہیں بھٹکتی، البتہ ان کے لب ولہجہ سے علمی اعتماد ضرور ٹپکتا ہے۔ انھوں نے انصاف پسندی کا ثبوت دیا ہے کہ مستشرقین پر تنقیدیں بھی کی ہیں تو ان کی خدمات کا اعتراف بھی کیا ہے۔ (۱۶) چہرے کے پردے کے بارے میں معتدل رائے کا اظہار کیا ہے۔ (۱۷)

متحرک وفعال زندگی:

ڈاکٹر صاحب موصوف نے صرف ساٹھ سال کی عمر پائی اور علمی حیثیت سے نہایت اعلیٰ اور بڑے سے بڑے عہدے پر پہنچے۔ انھوں نے پوری زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ چنانچہ علمی میدان میں اور وزارت نیز جج کے اعلیٰ عہدوں پر رہ کر بھی اسلام کی خدمت کی اور دانشوری کی روایت میں ایک گوہر نایاب بن کر چمکے۔ اپنی اعلیٰ حیثیت میں انھوں نے ۱۰۰ سے زیادہ قومی و بین الاقوامی کانفرنسوں و مذاکروں میں شرکت کی اور پچاسوں ممالک کے سفر بھی کیے۔ ۱۹۸۷ سے ۱۹۹۴ تک اسلام آباد کی فیصل مسجد کے خطیب اور اسلامی سینٹر واقع فیصل مسجد کے ڈائرکٹر کے فرائض انجام دیے۔ اسی طرح نیشنل ہجرہ کونسل کے عالمی مشاورتی بورڈ کے ممبر رہے۔ (۱۸) طالب علمی کے دوران ان کا تعلق پاکستان کی معروف طلبہ تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ سے بھی رہا جس کا فکری رشتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت اسلامی سے ہے۔۱۹۸۴ میں وہ اس کمیٹی کے رکن مقرر ہوئے جس نے پاکستان میں اہانت رسول کی سزا کا تعین کیا۔وہ کچھ عرصہ جنرل ضیاء الحق کے عربی مترجم بھی رہے۔اس کے علاوہ التجمع العالمی للعلماء المسلمین (مکہ مکرمہ) کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر نیز علامہ یوسف القرضاوی کی قیادت میں الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین (قاہرہ مصر) کے رکن اور اسی طرح ادارہ مجمع التقریب بین المذاهب الاسلامیہ ایران کے رکن تھے۔(۱۹)

جدید موضوعات:

علوم اسلامیہ قرآن، حدیث، فقہ وسیرت تو ان کے مطالعہ کی جولان گاہ تھے ہی، انھوں نے بالکل جدید موضوعات پر بھی قلم اٹھایا، چنانچہ گلوبلائزیشن پر عربی میں العولمة کے نام سے کتاب لکھی جو بیروت سے شائع ہوئی۔انہوں نے مجدد الف ثانیؒ اور اقبالؒ کا بھی خاصا کام عربی میں کیا۔اقبال کے خطبات اور ان کی شاعری کا عربی میں ترجمہ کیا۔اسی طرح "الحركة المجددیه" کے نام سے کتاب لکھی اور مجددؒ صاحب کے متعدد خطوط کا بھی عربی میں ترجمہ کیا۔برصغیر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ ہی افریقہ کی ایک اہم تحریک "السنوسیہ" کا تعارف بھی کرایا۔انھوں نے اسلام کے قانون بین الاقوام اور اسلامک انٹرنیشنل لا پر کتابیں لکھیں اور اسلام میں ریاست اور قانون سازی کا تعارف کرایا۔موجودہ زمانہ میں خلافت کے تصور کو کسی طرح عملاً برتا جاسکتا ہے، اس کا نقشہ بھی انھوں نے پیش کیا اور اس طرح اسلام کے سیاسی فکر میں اضافہ کیا۔

عالمی فقہ کا تصور:

بیسویں صدی علوم اسلامی کی نشاۃ ثانیہ کی صدی ہے۔اس میں حدیث،تفسیر اور فقہ پر نئے انداز واسلوب میں زبردست کام ہوئے ہیں۔خاص کر عالم عرب میں مختلف اسلامی ممالک نے اس سلسلہ میں ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھایا اور نئی فقہ وجود پذیر ہونے لگی جس کا دائرہ ابھی فقہ کے ماہرین، اسکالروں اور طلبہ تک محدود ہے۔عوام تک اس کے اثرات ابھی منتقل ہونے شروع ہوئے ہیں۔ڈاکٹر غازی لکھتے ہیں:

> ''دنیائے اسلام کے لوگوں نے ایک دوسرے سے استفادہ شروع کیا۔ایران کے تجربات سے پاکستان نے فائدہ اٹھایا۔پاکستان سے سوڈان نے استفادہ کیا۔سعودی عرب سے مصر نے استفادہ کیا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فقہی مسالک کی جو حدود تھیں، وہ ایک ایک کرکے دھندلانے لگیں۔اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیاے اسلام میں باہمی مشاورت اور اشتراک عمل سے یہ اجتہادی کام کیا جارہا ہے۔اسی اجتماعی اجتہاد کے نتیجہ میں فقہی مسالک کی حدود مٹ رہی ہیں۔ایک نئی فقہ وجود میں آرہی ہے جس کو نہ حنفی فقہ کہہ سکتے ہیں نہ مالکی، نہ حنبلی، نہ جعفری بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کو اسلامی فقہ ہی کہا جائے گا۔ میں اس کے لیے Cosmopolitan Fiqh یعنی عالمی یا ہر دیسی فقہ کی اصطلاح استعمال کرتا ہوں۔'' (۲۰)

اس کے بعد انھوں نے بینکاری اور مالیاتی اور بین الاقوامی تجارت و کاروبار کے حوالہ سے اپنے اس تصور کی مزید وضاحت کی ہے۔ ۱۹۸۰ء میں بینکاری کے اسلامی نظام کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک رپورٹ پیش کی جس میں شیعہ، دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور کوئی مسلک نہ رکھنے والے سب علما متفقہ طور پر شریک ہوئے تھے۔ اس پر وہ لکھتے ہیں کہ:

''ظاہر ہے کہ یہ رپورٹ محض فقہ حنفی کی بنیاد پر نہیں ہے اور نہ اس دستاویز کو فقہ حنفی کے لٹریچر کا حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ فقہ شافعی کی بنیاد پر تیار ہوئی ہے۔ یہ فقہ زیدی یا فقہ جعفری کی بنیاد پر بھی نہیں ہے۔ اس لیے تمام فقہا اور تمام فقہی مسالک کے ماننے والوں نے اس سے اتفاق کیا۔ اس کا عربی، ملائی، بنگلہ اور اردو وغیرہ میں ترجمہ ہوا اور دنیا میں ہر جگہ اس سے استفادہ کیا گیا''۔ (۲۱)

اس طرح کی اور بھی مثالیں انھوں نے دی ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ''موجودہ حالات میں کسی متعین فقہی مسلک کی پابندی پبلک کی حد تک بہت مشکل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف فقہوں میں بعض ایسے اجتہادات ہوتے ہیں جو آج کے دور میں مشکل معلوم ہوتے ہیں۔'' (۲۲)

عصر جدید کے جو پیچیدہ مسائل ہیں، ان کے حل کے لیے بعض اوقات عدم تقلید اور اجتہادی صلاحیت سے کام لینا ناگزیر ہو جاتا ہے، تاہم یہ ہے انتہائی نازک اور احتیاط کا متقاضی کام اور ہر شخص کو اس کی کھلی چھوٹ نہیں دی جا سکتی۔ اس نزاکت کا ادراک ڈاکٹر صاحب کو بخوبی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''یہ اتنے بڑے اور پیچیدہ مسائل ہیں کہ کسی ایک فقہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے ان کا حل تلاش کرنا مشکل ہے۔ بعض جگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ چار مشہور فقہی مسلکوں کے دائرے سے نکل کر دیکھنا پڑا۔ بعض جگہ براہ راست قرآن وسنت کی نصوص سے استنباط کر کے تمام فقہا یا زیادہ تر فقہا کے نقطۂ نظر کو نظر انداز کرنا پڑا۔ یہ کام اتنا آسان نہیں کہ ہر کس و ناکس اس کا بیڑا اٹھا سکے۔'' (۲۳)

ظاہر ہے کہ ایسے مقامات پر اجتماعی اجتہاد تفصیلی غور وخوض، احساس ذمہ داری، تقویٰ وخدا ترسی اور از حد احتیاط کی ضرورت ہے۔ تبھی ممکن ہے کہ امت کو فقہی انارکی یا فتوے بازی کی انارکی سے نکالا جا سکے، جیسا کہ بدقسمتی سے برصغیر میں یہ فضا بنی ہوئی ہے۔

دو بڑے چیلنج:

ڈاکٹر غازی کے نزدیک آج کے دو بڑے چیلنج ہیں: ایک چیلنج ملٹی نیشنل کمپنیوں اور مالیاتی اداروں کا ہے جس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب مسلمان تیار کر چکے ہیں یا کر رہے ہیں۔ دوسرا چیلنج میڈیا کا چیلنج ہے۔ میڈیا کی یلغار اتنی تیزی، شدت اور سرعت سے ہو رہی ہے کہ بیت اللہ میں بیٹھ کر آپ دنیا کے دو ڈھائی سو چینل دیکھ سکتے ہیں۔ اس لیے یہ توقع کرنا یا یہ مطالبہ کرنا کہ یہ چینل بند کیے جائیں اور ان کو ختم کیا جائے، ایک غیر حقیقت پسندانہ مطالبہ ہے۔ آج سے پچاس برس پہلے یہ بات ممکن تھی کہ آپ اپنے گھر میں بیٹھ جائیں اور دنیا کے ہر فتنہ سے اور دین وتہذیب پر اثر انداز ہونے والی ہر چیز سے محفوظ ہو جائیں۔ یہ تو کوئی جواب نہیں کہ آپ اپنے گھر میں تالا لگا دیں اور پردہ ڈال کر بیٹھ جائیں۔ سیلاب پردے ڈالنے سے نہیں رکتا، تالے ڈالنے سے نہیں رکتا۔ یہ دوسرا چیلنج ہے جس کا جواب دینا ابھی باقی ہے۔ مسلمانوں میں جو میڈیا کے ماہرین ہیں، ان کو اس سلسلہ میں غور وخوض کرنا چاہیے۔

ایک اہم فکری نکتہ:

بیسویں صدی میں ایک نیا ظاہرہ (phenamenon) دین کی سیاسی تعبیر کا پیش آیا۔ بعض مسلم مفکرین اور مصنفین کے ہاں سیاست پر بہت زیادہ زور دیا گیا۔ اس کے بعض خارجی اسباب ہیں، اس کے کچھ مثبت پہلو بھی ہیں۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر غازی نے اپنی رائے یوں دی ہے جس میں سبب، مثبت پہلو پر تبصرہ کے ساتھ ہی انہوں ایک گونہ اس پر نظر ثانی کی دعوت بھی دی ہے:

> ''سو ڈیڑھ سو سال پہلے تک ایک زمانہ ایسا تھا جب لوگوں کی زندگی میں بنیادی کردار ریاست کا ہوا کرتا تھا۔ ریاست نظریہ کی علمبردار اور محافظ ہوتی تھی، ریاست نظریہ کو فروغ دینے کا کام کرتی تھی۔ کمیونسٹ ریاست بنی، اس نے کمیونسٹ نظریہ کو فروغ دیا...... اس زمانہ کے مسلم مفکرین کو خیال آیا کہ جس طرح مغربی ریاستیں اپنے نظریات کو پھیلا رہی ہیں، اسی طرح اگر ایک بڑی مضبوط اسلامی ریاست قائم کی جائے جو اسلامی نظریات کو پھیلائے اور ان کو فروغ دینے کا کام کرے تو اسلامی نظریات کو بھی اسی طرح فروغ حاصل ہو جائے گا۔ اس تصور کے پیش نظر بیسویں صدی کے مفکرین اسلام کے نزدیک اسلامی ریاست کو بہت اہمیت حاصل ہوگئی اور احیاے اسلام کے عمل میں اسلامی ریاست کا قیام بنیادی حیثیت کا حامل قرار پا گیا۔ ریاست ان کی فکر کا اصل اور مرکزی نکتہ بن گئی، ان کی ساری توجہ اسلامی ریاست کے قیام پر مرکوز ہوگئی...... لیکن اس فکر کا ایک مثبت فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی ریاست کے بارے میں بہت سا علمی اور تحقیقی کام سامنے آ گیا...... دوسری طرف دنیا میں یہ ہوا کہ ریاست کی مرکزیت ختم ہوگئی۔ سویت یونین کو زوال آ گیا۔ کمیونزم ایک نظریہ کے طور پر دنیا سے ختم ہو گیا...... اب جو ادارے اپنے نظریات کو فروغ دے رہے ہیں، وہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور بڑے بڑے بینک ہیں۔ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف وہ ادارے ہیں جو غیر ریاستی ادارے ہیں، لیکن مالیات اور تجارت ان کے ہاتھ میں ہے۔ اس وقت دنیا کے مستقبل کو بنانے اور بگاڑنے کا یا دنیائے اسلام کو کنٹرول میں کرنے کا جو سب سے بڑا ذریعہ ہیں، وہ یہ ملٹی نیشنل ادارے اور کارپوریشنز ہیں۔ ان کے پاس دنیا کی معاشی زندگی کی لگامیں ہیں، ان کے پاس دنیا کے معاشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسائل اور مالیاتی خزانوں کی کنجیاں ہیں......اس لیے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ آنے والے سالوں میں ریاست کا کردار بنیادی نہیں ہوگا، بلکہ ان اداروں کا کردار بنیادی ہوگا۔'' (۲۴)

خاکسار راقم یہ سمجھتا ہے کہ سیاسی اسلام کے نمائندوں کو اس رائے پر، جو ان کے کسی ناقد کی طرف سے نہیں بلکہ ہمدرد کی طرف سے آئی ہے، ضرور غور وفکر کرنا چاہیے۔

مصادر ومراجع:

(۱) سید منصور آغا، جدید خبر اردو روزنامہ، نئی دہلی بھارت، ۲۸ ستمبر ۲۰۱۰ء

(۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) یہ معلومات انٹرنیٹ سے لی گئی ہیں۔ (۵) ایضاً (۶) ایضاً

(۷) محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات حدیث، الفیصل غزنی اسٹریٹ لاہور طبع دوم دسمبر ۲۰۰۵ صفحہ ۶۹

(۸) محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات حدیث، الفیصل غزنی اسٹریٹ لاہور طبع دوم دسمبر ۲۰۰۵ صفحہ ۴۵۷

(۹) محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات قرآنی، الفیصل غزنی اسٹریٹ لاہور طبع جولائی ۲۰۰۴ صفحہ ۳۸۲

(۱۰) محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ الفیصل غزنی اسٹریٹ لاہور طبع جون ۲۰۰۵ صفحہ ۱۷۰

(۱۱) محاضرات حدیث صفحہ ۲۸۔ نیز محاضرات فقہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں: بعض جدید مصنفین نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی عقلی منہاجیات یعنی intellectual methodology جس فن میں سب سے زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے وہ، علم اصول فقہ ہے۔ دیکھیے صفحہ ۶۰

(۱۲) محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات حدیث، الفیصل غزنی اسٹریٹ لاہور طبع دوم دسمبر ۲۰۰۵ صفحہ ۹۰

(۱۳) محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، الفیصل غزنی اسٹریٹ لاہور طبع جون ۲۰۰۵ ص ۵۱۰

(۱۴) ایضاً (۱۵) محاضرات قرآنی، صفحہ ۴۳

(۱۶) لکھتے ہیں: ''تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے جو مجھے بھی ذاتی دلائل وغیرہ کو دیکھ کر درست معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ چہرہ کا ڈھکنا تو افضل اور عزیمت ہے، لیکن کھولنے کی اجازت ہے۔'' دیکھیں محاضرات حدیث صفحہ ۴۶۴۔

(۱۷) ملاحظہ ہو، محاضرات حدیث صفحہ ۴۴۳۔

(۱۸) انٹرنیٹ سے (۱۹) انٹرنیٹ سے

(۲۰) محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ الفیصل غزنی اسٹریٹ لاہور طبع جون ۲۰۰۵ صفحہ ۵۳۴

(۲۱) محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ الفیصل غزنی اسٹریٹ لاہور طبع جون ۲۰۰۵ صفحہ ۵۳۴

(۲۲) ایضاً صفحہ ۵۳۵ (۲۳) ایضاً، صفحہ ۳۸ (۲۴) ایضاً، محاضرات فقہ صفحہ ۵۴۳

© rasailojaraid.com